© rasailojaraid.com

نظریۂ موت اور قرآن

از مولانا سید ابوالنظر رضوی

قرآن خود ایک ناطق معجزہ ہے اور ہر پہلو سے۔ جب کبھی قرآنی آیات پر فکر و تدبر کی فرصت نصیب ہوئی ہمیشہ مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ انسانی زندگی کا کوئی اہم نکتہ ایسا نہیں جو اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو۔ سیاسی نظریات، معاشی واقتصادی اصول، اخلاقی قوانین، انفرادی اور اجتماعی نفسیات کی نبض شناسی، جنگ وصلح کے بنیادی ضوابط، آثاری اور علمی اکتشافات، نجوم و ہیئت کے نتیجہ خیز مسائل، تاریخ وسیر کے اسباق، سیاست وحکومت کے علمی نکات، پائندہ برتری کے وسائل، اضمحلالِ شعوری کی تفسیرات اور قوتِ عمل کو بیدار، مستقل اور تابناک بنا سکنے والے حقائق، غرض یہ کہ انسان کی زندگی کو کامیاب کرنے کے لئے ہر وہ چیز بتا دی گئی ہے جو نہ صرف یہ کہ ضروری تھی بلکہ جسے تمدنی ترقیات کے ذریعہ صدہا انقلابی تجرباتِ کے بعد بہ مشکل قرنہا قرن میں معلوم کیا جا سکتا ہو۔

خدا نے اگر ہمارے علماء سے خدمتِ قرآن کی توفیق نہ چھین لی ہوتی اور وہ دیگر مذہبی اور سیاسی مشکلات کی گتھیاں سلجھانے کے ساتھ تقسیم عمل ہی کے تحت اس مشغلہ پر اپنا وقت صرف کر سکتے تو شاید قرآن کی عظمت وافادیت کا آج سے کہیں زیادہ دنیائے علم وتحقیق اعتراف کر رہی ہوتی لیکن ایسا کیوں ہوتا؟ قدرت امتِ مرحومہ کو ایک فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتی تھی اور اس کے لئے کتابِ الٰہی سے غفلت ضروری تھی، ہر مذہبی اور غیر مذہبی مسلمان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر حقیقت کی ایک شعاع بھی بے نقاب ہو کر نگاہ کو مس نہیں کرتی تاکہ آیاتِ الٰہی کو فراموش کر دینے کے نتائج محسوس کرا سکیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصول وقوانینِ حیات تعلیم کئے تھے وہ اس قدر غیر اہم نہ تھے کہ انھیں اتنی جلدی بھول جانے کی اجازت دی جا سکتی۔ ایک طرف اگر انھوں نے تمہاری حکومت وخلافت کو مشرق سے مغرب تک وسیع کر دیا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو دوسری طرف انھیں اصول سے روگردانی تمھیں مشرق سے مغرب تک غلام بھی بنا سکتی ہے اور یہاں تک کہ ایک مِنٹ کا کشاد و بند بھی تمہارے اختیار میں نہ ہو۔ بہرحال کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ ظاہر ہے کہ قرآن نے جن علمی اور نظری حقائق کو نہایت سادگی کے ساتھ ظاہر کر دیا تھا ان میں سے ہر حقیقت ایک پیچیدہ مسئلہ ہو کر رہ گئی۔

موت کیا ہے؟ موت ہے یا زندگی۔ قیدِ غم سے آزاد ہونا ہے یا اجزا کا پریشان ہونا۔ موت زندگی کا کوئی نیا راستہ ہے یا وہ فضا جس سے بلند تر زندگی پرواز نہیں کر سکتی۔ انسانی تاریخ و آثار کا ہر ورق آپ کو بتا سکتا ہے کہ ہر زمانہ کے شعوری ارتقا نے اس حقیقت کو دریافت کرنے کی جد و جہد کی لیکن ساتھ ہی آپ کو اس کا بھی اقرار کرنا پڑے گا کہ نہ کسی فلسفی کی شعوری قوتیں اس مسئلہ کو حل کر سکیں نہ ایک بڑی حد تک روحانییں کا پاکیزہ وجدان۔ فرصتِ فکر و شعور کے ہر لمحہ نے گوناگوں نتائج پیدا کئے اور ہر شخص نے اپنے اپنے ماحول، ذہنی استعداد اور نفسیاتی میلان و انجذاب کی نسبت سے ایک نئی تاویل اور اس خوابِ پریشاں کی نئی تعبیر تلاش کی۔ کسی نے موت کو موت کہا اور کسی نے زندگی۔ مگر یہ کوئی نہ بتا سکا کہ اگر یہ موت ہے تو فطرتِ انسانی کا یہ تقاضا کیوں ہے؟ کہ موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہونا چاہیے۔

سب کچھ کے بعد کچھ بھی نہیں یہ تو کچھ نہیں

اور اگر زندگی ہے موت سے تو مختلف کیوں نہیں محسوس ہوتی۔ ہم جس انحلالِ ترکیب کو موت سمجھتے ہیں وہ موت کیونکر زندگی کہلائی جا سکتی ہے؟ زندگی کا وہ کونسا تجربہ اور مشاہدہ ہے جو ہمیں اس دقیق فرق کو محسوس کرا سکے جس کا تمام ادیان و ملل دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن اس قرآن نے جو فطرت کے ہر پیچیدہ راز اور کائنات کی ہر ایجابی اور سلبی قوت سے آشنا تھا اس گتھی کو سلجھا دیا اور اس سادگی و پرکاری کے ساتھ کہ کوئی دل و دماغ خواہ تمدن سے آشنا ہو یا نا آشنا سکون و طمانیت اور ذوقِ یقین کی دولت سے محروم نہیں رہ سکتا۔

ہم جس ارتقائی انقلاب کو موت کہتے ہیں اس کے صرف دو پہلو تھے۔ عدمِ شعور، اور انحلالِ ترکیب یعنی جب ہمیں موت آتی ہے تو ایک طرف ہم دنیا کی ہر چیز اور ہر بات سے بے خبر ہو جاتے ہیں اور دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف ہماری نعش تعفن پذیر ہوکر عناصر میں تحلیل اور ذرات میں گم ہو جاتی ہے۔ تصویر کے اس ہی سادہ رخ کا دوسرا نام موت ہے۔

قرآن چونکہ شعروادب کا شاہکار ہی نہیں بلکہ حقائق پیغامبر بھی ہے اس لئے وہ صرف سلاست وروانی حسنِ ادا، علوئے تخیل اور بہتر ادبی ترکیبوں کے جادو سے دل ودماغ کو ماؤف اور منفعل کرکے اپنی خطابت وشعریت کے سامنے سجدہ نہیں کرانا چاہتا بلکہ وہ انسان کے تمام ذہنی اضمحلالات کو نابود اور تمام نفسیاتی تلون پذیریوں کو ہمیشہ کے لئے دفن کرکے اس کو خلافتِ الٰہی اور وسیع ترین کائنات کی ذمہ دارانہ حکومت سپرد کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ کبھی ایسی چیز نہیں کرتا جس کو تخیل و وجدان کی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھانا کہہ سکتے ہیں چنانچہ اس نے موت کی حقیقت کو بے نقاب کرتے ہوئے موت کے اس پہلو کو جسے عدم شعور کہا جاتا ہے نیند سے تعبیر کیا اور انحلال ترکیب واجزاء ہستی کے پریشان ہونے سے دوبارہ زندگی پیدا ہو سکنے کو نباتاتی ارتقا سے مشابہ قرار دیا تاکہ موت کے دونوں پہلو ایسے تجرباتی دلائل سے پیش کئے جا سکیں جو اس کے شعور ووجدان سے قریبی نسبت رکھتے ہوں۔ ماحول، مشاہدہ، تجربہ اور شخصی نفسیات ہی وہ موثرات ہیں جو ذہنی قوتوں کو بیدار کرکے کسی نتیجہ تک پہنچا سکتے ہیں اس ہی وجہ سے قرآن کے استدلالات کبھی ایسی فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں اور منطقانہ پیچیدگیوں کے سایہ تک کو گوارا نہیں کرتے جو نہ صرف یہ کہ مشکل سے ذہن نشین ہو سکیں بلکہ ذہن نشین ہو جانے کے بعد بھی خاموش تو کر سکتے ہوں لیکن دل پر اثر نہ کر سکیں۔

قرآن مناظرہ نہیں کرتا بلکہ صداقت کو دل کی گہرائیوں میں جذب کر دینا چاہتا ہے تاکہ یقین اور اور ایمان کے برقپارے عمل اور کارکردگی کو ایک ایسی زندگی ودیعت کر سکیں جو روشن، مستقل اور وسیع ہو، نیند اور نباتات کا نشوونما کوئی ایسی چیز نہیں تھیں جن کا مشاہدہ تجربہ نہ ہو اور جن کے گوناگوں پہلو ہماری نگاہوں سے اوجھل رہ سکتے ہوں۔ موت کو ایک نیند اور نیند کو ایک موت بتاتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا	خدا لوگوں کو موت پر مارتا ہے اور جو نہیں مرتے
والتی لم تمت فی منامھا۔	انھیں ان کی نیند میں۔

یعنی قرآن کے نزدیک موت دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جسے عام طور پر بھی موت ہی کہتے ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک وہ جسے نیند کہا جاتا ہے نیند میں بھی سب کچھ وہ ہی ہوتا ہے جو موت پر ہوگا اور موت پر بھی وہ ہی ہوگا جو نیند میں ہر متنفس پر گذرتا رہتا ہے لہذا اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ نیند کیوں آتی ہے اور ہمارے اندر کیا تبدیلیاں پیدا کرتی ہے؟ نیند کیوں آتی ہے اس کا جواب انسانی تحقیقات نے آج تک جو دیا ہے اسے ایک مرتبہ سن لیجئے۔

(۱) فضلات حموضی یعنی تیزابی مادہ کا رفتہ رفتہ اجتماع دماغ میں تکان پیدا کردیتے ہیں۔

(۲) مسلسل حرکات اس قوت کو بافراط صرف کرکے جو فی کلا گرام سات لاکھ ۲۵ ہزار کیلری قدرت نے ودیعت کی تھی نظامِ عصبی کو مضمحل کردیتے اور سکون کا محتاج بنادیتے ہیں تاکہ بیداری کے عمل تخریب کا ردِ عمل نیند کے تعمیری عمل سے کیا جاسکے۔

(۳) بیداری میں خلیاتِ دماغ کا آکسیجن صرف ہوجاتا ہے اس لئے دوبارہ طاقت پیدا کرنے کے لئے ایک وقفہ کی ضرورت ہے۔

(۴) ایک خاص قسم کی "ناسکین" یا سادہ زبان میں ایک قسم کا زہر بیداری کی مسلسل حرکات سے پیدا ہوجاتا ہے جس کو دور کرنا زندگی کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

(۵) عصبی کیسے ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجاتے اور تاثرات کو ایک سے دوسرے تک نہیں پہنچا سکتے۔ اس لئے خیالات کی رَو ایک دم رُک جاتی اور نیند آجاتی ہے۔ رہے اس کے زائیدہ تغیرات وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) جزی یا کلی طور پر عدم شعور اور بے حسی کی کیفیت طاری ہوجانا۔ یہاں تک کہ اگر سوئی چبھوئی جائے تو خبر نہ ہو یعنی دماغ کا تقریباً معطل ہوجانا۔

(۲) حرکاتِ ارادی کا انقطاع اگرچہ اندرونی طور پر دماغ کے بعض حصص بیدار رہ کر اپنے افعال میں مصروف رہتے ہیں۔

(۳) پسلیوں کے تنفس کا شکم پر جاری ہوجانا جو نزع کی ایک عام کیفیت ہے۔

(۴) آنکھ کی پتلیوں کا سکڑ جانا۔ یہ بھی نزع کی ایک کیفیت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۵) وظائفی خلیات کے کمزور ہو جانے سے استمراری افرازات مثلاً پیشاب، آنسو وغیرہ کی مقدار کا کم ہو جانا جیسا کہ قربِ موت پر ہوتا ہے۔

(۶) قوتِ سامعہ سب سے آخر میں غائب ہوتی ہے جیسا کہ موت پر ہوتا ہے۔

(۷) دماغ کی طرف دورانِ خون کا کم ہو جانا جس کا ثبوت چہرہ کی زردی ہے خواب اور موت دونوں میں

(۸) خیالات کی لہروں کا بند ہو جانا۔

(۹) حلق کی گلٹیوں (غدود) کے تصلب اور سکڑ جانے سے لعابِ دہن خشک ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نیند، بڑھاپے اور نزع ہر سہ حالات میں لوگ اپنا منہ کھولے رہتے ہیں۔

(۱۰) عصبی تشنج۔ موانعات اور رکاوٹوں کے باوجود نیند کے غلبہ پر۔

(۱۱) تمام دوسرے حواس و قویٰ پر حسِ مشترک کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

(۱۲) نیند میں حس و حرکت مفقود ہو جاتی ہے لیکن قوتِ متخیلہ کے احساسات نہ صرف زندہ رہتے بلکہ قوی تر ہو جاتے ہیں۔

(۱۳) نیند خواب کے ذریعہ خارجی اثر و تاثر کو مثالی صورتوں کے ذریعہ محسوس کراتی ہے۔

(۱۴) نیند بہت تھوڑے سے وقفہ کو خواب کے رنگ میں سالہا سال کا وقفہ محسوس کراتی ہے۔

(۱۵) نیند میں سوئی کی معمولی چبھن یا پاؤں کی انگلی پر ہوا کا ایک جھونکا پیچیدہ اور خوفناک خواب کی نوعیت پیدا کر دیتا ہے جو قوتِ متخیلہ کے احساسات کی قوت، وسعت اور لطافت کی دلیل ہے۔

(۱۶) نیند بغیر علت و سبب اور محرک کے خواب نہیں پیدا کرتی اور جو کچھ پیدا کرتی ہے وہ اسباب و محرکات کی تمثیلی اشکال کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ خواہ انسان کی طاقتِ خورد بینی کا خواب میں مظاہرہ ہو رہا ہو یا تکمیلِ آرزو کا نقشہ تیار کیا جا رہا ہو۔

(۱۷) ایک ہی نوع کے جسمانی محرکات مختلف اشخاص میں تمدنی ماحول، ذہنی ارتقاء اور نفسیاتی رجحان کے مطابق مختلف اقسام کے خواب پیدا کر دیتے ہیں اور نازک سے نازک پہلوؤں کا لحاظ رکھتے ہوئے جس کو کتابی شکل میں لانے کے لئے بڑی زبردست ریسرچ کی ضرورت ہوگی۔

''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِن اسباب، کیفیات اور تغیرات کو سامنے رکھتے ہوئے جو فنی مصطلحات سے پاک کر دینے پر ان ہی سادہ حقائق میں تبدیل ہو جاتے ہیں جن کو ہر معمولی دل و دماغ کا آدمی سمجھتا، دیکھتا اور سنتا رہتا ہے۔ آپ موت اور نزع کے اسباب کیفیات اور تغیرات کا مقابلہ کریں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان دونوں میں بہت زیادہ مشابہت ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک چیز کا نام نیند رکھ دیا گیا ہے اور دوسری کا موت یا بالفاظِ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ ایک معمولی نیند ہے اور دوسری گہری نیند اور اس ہی بنا پر وہ کیفیات و تغیرات جو نیند میں اثراندازی اور اثر پذیری کے لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں وہ موت پر قوی ہو جاتے اور ہماری زندگی ہماری قوتِ متخیلہ اور ہماری حس و حرکت پر زبردست اثر ڈالتے ہیں۔ یہاں تک موت اور نیند کی یکسانیت ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا چنانچہ قرآن نے اسی سادہ حقیقت کو بار بار دہرایا ہے۔

وھوالذی یتوفاکم باللیل ویعلم	اور وہی تم کو رات کے وقت مارتا اور جانتا ہے جو کچھ
ما جرحتم بالنھار ثم یبعثکم فیہ	کام تم نے دن میں کیا ہے پھر وہ اٹھاتا ہے اور بیدار
لیقضیٰ اجل مسمی۔	کرتا ہے تاکہ وقتِ معین پورا ہو جائے۔

"ویعلم ما جرحتم بالنھار" سے قرآن نے ان مشکلات، جراحتہائے پیہم اور اسباب و علل پر روشنی ڈالی ہے جو موت کی نیند کا باعث ہوئے۔ جس طرح ایک روزہ مشاغل اور کارکردگیاں مختصر نیند پیدا کرتی ہیں ایسے ہی قرآن نے ساری زندگی کو یک روزہ دلچسپیاں اور تکان پیدا کر دینے والے حرکات فرض کر کے اپنے علم و اطلاع پر روشنی ڈالتے ہوئے موت کی نیند کو سمجھایا ہے۔

قرآن دوسری جگہ کہتا ہے۔

یٰویلنا من بعثنا من مرقدنا	افسوس کس نے ہماری خواب گاہ سے ہمیں بیدار کر دیا

جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے وہ اس درمیانی وقفہ کو نیند ہی محسوس کریں گے موت اور وہ موت نہیں جس کا نام لرزہ براندام کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ان دونوں آیات کو دیکھئے پہلی آیت میں بیداری کی پیہم جراحت آفرینیوں کو نیند کا سبب قرار دیا ہے اور دوسری آیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں موت اور نیند کی کیفیت کے یکساں ہونے کا اعتراف خود مرنے والوں کی زبان سے کرایا گیا ہے جس کے سادہ معنی صرف یہ ہی ہو سکتے ہیں کہ موت ایک نیند ہے علتِ فاعلی کے لحاظ سے بھی اور علتِ غائی کے اعتبار سے بھی اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ سائنس کی تمام تحقیقات اور فلسفہ کی تمام موشگافیاں بھی اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں لا سکتیں لیکن اس کے باوجود بعض دوسرے پہلو ایسے ہیں جن کو ہنوز تشنۂ طمانیت کہا جا سکتا ہے۔

(۱) نیند ہمارے اختیار میں ہے اور موت ہمارے اختیار میں نہیں۔

(۲) نیند کا تصور ہمیں رنج نہیں پہنچاتا اور موت کا تصور نزع میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(۱) نیند کا اختیاری اور موت کا اختیار سے باہر ہونا بہ ظاہر ایک ایسی چیز ہے جس کے ہوتے ہوئے یہ جرأت ہی نہیں کی جا سکتی کہ موت اور نیند دونوں کو زندگی کے توام بچے یا اس کی تصویر کے دو رخ سے تعبیر کیا جا سکے حالانکہ اس کو ان مغالطات میں ہونا چاہئے تھا جس کو ہم ٹھکرانا بھی جائز نہیں سمجھتے۔

نیند آپ کے اختیار میں ہے؟ غلط اور کس قدر غلط۔ آپ ایک لمحہ کے لئے اس کو اپنی آنکھوں سے دور نہیں رکھ سکتے اگر وہ اسباب پوری قوت کے ساتھ عمل کر رہے ہوں جو نیند کا باعث ہیں چنانچہ مشہور مثل ہے کہ پھانسی پر بھی نیند آجاتی ہے لیکن اگر نیند لانیوالے اسباب کمزور ہوں یا دوسرے اسباب اس کی قوت کے درمیان حائل ہو گئے ہوں یا آپ نے کسی تدبیر سے ان اسباب کو قوی اور موثر ہو سکنے سے روک دیا ہو تو یقیناً آپ ایک عرصہ تک بیدار رہ سکتے ہیں ورنہ ممکن نہیں۔ بعینہ یہ ہی حال موت کا ہے، موت آپ کے اختیار میں نہیں؟ غلط اور کس قدر غلط۔ آپ اسے سالہا سال تک روک سکتے اور زندگانی کا لطف اٹھا سکتے ہیں مگر اس ہی وقت جبکہ آپ نے ان اسباب وعلل پر قابو پا لیا ہو جو موت کا باعث ہوتے اور نظام جسمانی کو تباہ کر دیتے ہیں۔ انسان تدابیرِ صحت میں جہاں تک ترقی کرتا جائے گا موت دور تر ہوتی جائے گی آخر اس کا کوئی سبب ضرور ہو گا کہ یورپ کے باشندے اوسط عمر کے اعتبار سے ۶۰ اور ۶۵ سال تک زندہ بلکہ تندرست رہ سکتے ہوں اور ہندوستان کے غلام ۲۲ - ۲۳ سال سے زیادہ سانس لینے کی اجازت نہ پا سکیں۔ ہندوستان نے کوئی ایسا گناہ نہیں کیا جس کی وجہ سے موت کے لئے ہر دروازہ کھول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا جائے اور یورپ نے کوئی ایسی نیکی نہیں کی جس کی وجہ سے اس کو یورپ میں قدم رکھنے کی جرأت نہ ہو سکے بات فقط اتنی ہے کہ یورپ تدابیر صحت کا اختراع اور ان پر عمل کر رہا ہے اور ہندوستان یا دیگر مشرقی ممالک ان پر عمل کرنے سے مجبور۔ اس لئے وہاں موت گراں ہو گئی اور یہاں ارزاں۔ اگر موت اختیاری چیز نہ ہوتی تو غلامی کے باوجود ہندوستان کم از کم موت کے معاملہ میں یورپ سے مساوات کا دعویٰ کر سکتا لیکن نہیں بدقسمتی نے یہاں بھی ساتھ نہیں چھوڑا۔ ہم موت کو مقدرات سے سمجھ کر غیر اختیاری قرار دے رہے ہیں اور یورپ زندگی کو اختیار میں لا رہا ہے ع

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

لیکن یہاں یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم ہمیشہ زندہ رہ کر قرآن کے "اجل مسمی" کو غلط ثابت کر سکتے ہیں۔ انسان کی ہر قدرت، ہر استعداد اور ہر صلاحیت محدود واقع ہوئی ہے وہ نہ صرف نیند پر ہی قابو رکھتا ہے بلکہ زندگی کی ہر تکلیف، ہر بیماری اور ہر نقص و اضمحلال کو دور کر سکتا ہے اور کسی ایک تکلیف ایک بیماری اور ایک کمزوری کو بھی دور نہیں کر سکتا۔ کونسا مرض ہے جس کا علاج نہ ہو اور کونسا مرض ہے جو تدبیر و علاج سے اصلاح پذیر ہو سکے۔ ہر مرض سے لوگ اچھے ہوتے ہیں اور ہر مرض میں مرتے ہیں انسان نیند کو دور بھی کر سکتا ہے اور نہیں بھی کر سکتا۔ ایک وقت وہ ہی چیز تریاق ہو جاتی ہے اور دوسرے وقت وہ ہی تدبیر ناکارہ۔ یہ تضاد یا امکان درست ہے اسباب و حقائق سے ناواقف ہونے کی بنا پر ہے۔ مگر ایسی ناواقفیت جو کبھی مکمل واقفیت میں تبدیل نہ ہو سکتی ہو۔ ہر تمدن اپنے علمی ارتقاء کے صرف چند نشانات اور تجربات چھوڑ کر فنا ہو جاتا ہے اور وہ اس نوع کے کہ ہر دوسرا تمدن اس میں اس حد تک تغیر کر سکے جو کسی تیسرے تمدن کو جدید تجربات پر مجبور کرنے کے لئے کافی ہو۔

یہ تجربات اور مغالطات کا تسلسل ہمیشہ سے یوں ہی قائم ہے اور ہمیشہ یوں ہی رہیگا تا آنکہ وہ وقتِ معین آ جائے جو قدرت نے انسانی زندگی بلکہ نظام کائنات کے لئے موت اور خواب کا مقرر کر رکھا ہے تاکہ وہ دوبارہ مجتمع اور بیدار ہو کر ایک دوسرے ارتقاء پذیرفتہ کائنات کی شکل اختیار کر سکے۔ بہر کیف اس تفصیل سے آپ اتنا ضرور سمجھ گئے ہوں گے کہ نیند اور موت یا کسی دوسری بیماری کے درمیان کوئی ایسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرق نہیں کہ جس کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کو زیادہ اہمیت دی جاسکے۔ قوی اسباب پیدا ہو جانے کے بعد مسبب کو نہ پیدا ہونے دینا نہ کبھی انسانی اختیار میں تھا نہ ہو سکتا ہے۔ ہاں جس حد تک اسباب پر انسان کو قابو ہوتا جائے گا نیند یا موت اور بیماری قابو میں آتی جائے گی۔ لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ اسباب ہمیشہ کے لئے اور مکمل طور پر انسان کے قابو میں نہ پہلے کبھی آسکے نہ آئندہ کبھی آسکیں گے۔ امید رکھنے اور کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ انسان کا ایک ناقابلِ فراموش فرض ہے تاکہ جہاں تک بھی کائنات کو محاسن اور زندگی کے مختلف پہلوؤں سے آراستہ کیا جاسکتا ہو کر دیا جائے لیکن اس میں شک نہیں کہ انسان اپنی تمام شعوری اور عقلی قوتوں کے باوجود خدا نہیں ہو سکتا اور یہ ہی خدا کے وجود کی دلیل ہے اور ان علوم و حقائق کے ضروری ہونے کا ثبوت جو اس نے الہام کے ذریعہ تعلیم کئے۔

میں نے جو کچھ عرض کیا ہے آپ اس کو میرے ذہن کی ایک اختراع اور نئی اُپج قرار دیں اس لئے ضرورت ہے کہ قرآن کی روشنی میں اس پہلو کو سمجھایا جائے۔

قرآن نے ہر جگہ ایک مستقل اور مضبوط نظام یا بالفاظِ دیگر قانون قدرت کے لئے قدر او رأمر کی اصطلاح استعمال کی ہے اور جہاں کہیں قانونِ قدرت کے تحت طریقۂ کار کی یکسانیت کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں خلق اللہ، سنۃ اللہ، فطرۃ اللہ اور سبل رب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ستاروں کے نظام فلکی، زمین کے نظامِ روئیدگی اور انسان کے نظامِ جسمانی کے لئے جو قانونِ قدرت کے تحت اپنی اپنی کارکردگیوں میں مصروف ہیں قرآن کی تعبیرات یکساں پائیں گے جہاں قرآن نے نظامِ فلکی کے لئے بتایا کہ

والشمس تجری لمستقر لها	اور سورج اپنے ٹھیراؤ پر چل رہا ہے، یہ ہے
ذلك تقدیر العزیز العلیم	غالب اور علم والے کی تقدیر (اندازہ وقانون)

اور زمین کے نظامِ روئیدگی وغیرہ کے لئے فرمایا۔

وقدر فیها اقواتها	اور زمین میں اس کی روزیاں اندازہ کردیں۔

یعنی جو زمین قانونِ قدرت کے تحت جس قسم کی روئیدگی اور پیداوار کے لائق تھی اسی کی مناسبت سے وہ چیزیں وہاں پیدا کردی گئیں یہ نہیں کہ آب و ہوا اور زمین کی گوناگوں اقسام قدرت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانون کے خلاف نشو ونما کی ضامن ہوگئی ہوں۔ اندازہ اور تقدیر کے معنی ہی یہ ہیں کہ جو زمین جس نوع کی پیداوار کے قابل تھی وہاں وہ ہی پیداوار ودیعت کر دی گئی۔

ریگستان دامنِ کوہ نہیں ہوسکتا۔ اور کشمیر کی وادیاں ریگستانِ سندھ میں نہیں پیدا ہوسکتیں کیونکہ حیاتِ نباتی بھی ایک نظام اور قانون رکھتی ہے اور اس کے خلاف نہ موت کو زندگی بنایا جا سکتا ہے نہ زندگی کو موت۔ ہاں زمین کی نوعیت جس حد تک تبدیل ہوجائے گی اس ہی حد تک روئیدگی اور پیداوار کے امکانات پیدا ہوجائیں گے۔ وہیں اس نے نظامِ جسمانی کے مرگ و زیست کے مسئلہ کو بھی اس ہی اندازہ سے چھیڑتے ہوئے آگاہ کیا ہے۔

نحن قدرنا بینکم الموت ہم نے تمہارے درمیان موت کا اندازہ کر دیا۔

موت کا اندازہ کر دینا اس کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ ہم نے انسانی موت اور زندگی کے لئے ایک مستقل نظام اور قانون بنا دیا ہے اور کوئی شخص اس قانون کی گرفت سے باہر نہیں جا سکتا جس وقت بھی وہ اسباب و علل جمع ہوجائیں گے جو موت کا باعث ہوتے ہیں تو موت کو روکا نہیں جا سکتا لیکن خدا نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ موت کے اسباب انسان کے اختیار سے بالکل باہر ہیں۔ لیکن بنیادی نقطۂ نظر سے وہ انسانی اختیار کو تسلیم نہیں کرتا۔ کیونکہ انسانی عقل و شعور اور اس کے تجربات نہ آج تک اس قدر ترقی کر سکے ہیں نہ گوناگوں تمدنوں کی تعمیر و تخریب کے تسلسل کو دیکھتے ہوئے کسی زمانہ میں بھی ممکن معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے چونکہ انسان اپنی جگہ پر یہ محسوس کرتا ہے کہ موت اور زندگی کے اسباب میرے اختیار میں ہیں جیسا کہ شائد اس ہی مغالطہ میں مبتلا ہوکر فرعون نے بھی کہدیا تھا کہ

انا احیی و امیت میں بھی مارتا اور جلاتا ہوں۔

اس لئے قرآن نے اس ذہنی مغالطہ کو بھی دور کرنا ضروری خیال کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ

این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم تم کہیں پر بھی ہو موت کی گرفت سے نہیں بچ سکتے اگرچہ

فی بروج مشیدہ مضبوط قلعوں میں ہو

انسانی عقل و شعور بھی ایک عجیب معمہ ہے ایک طرف تو وہ موت کو اختیار سے باہر اور نیند کو اختیاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیز سمجھتا ہے اور دوسری طرف موت ہی کو یہاں تک اپنے قدرت واختیار میں بھی محسوس کرتا ہے کہ الوہیت کے دعوے سے شرم نہیں آتی۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

اس چیز کا ثبوت کہ موت ایک قانون کے تحت ہے اور کوئی اتفاقی چیز نہیں خواہ وہ اتفاقات تقدیر کا نتیجہ ہوں یا مادہ کے اجزائے حواس کی بے ربطی سے وابستہ۔ بیمہ کمپنی کے ان اعداد وشمار سے بھی ملتا ہے جوان کو زندگی کا بیمہ کرنے کے لئے جمع کرنا پڑتے ہیں تاکہ تجارت میں نقصان نہ ہو سکے یہ جمع کردہ اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ خواہ کسی ملک میں تدابیر صحت پر عمل ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو بہرحال جو معینہ کیفیت بھی ہوگی اور جس حد تک بھی وہ اسباب سم آلود بخارات (زہریلی گیس) یا قوتِ مدافعت اور ارتجی کم کردینے کے ذریعہ موت کے اسباب ہوسکتے ہوں گے اس کے لحاظ سے موت کا تناسب بھی ہمیشہ تقریباً یکساں ہی رہے گا اور یہی وہ نکتہ ہے جس پر بھروسہ کرتے ہوئے بیمہ کمپنیاں زندگی کا بیمہ کرتی ہیں اگر موت کسی قانون اور ضابطہ کے تحت نہ ہوتی یا یومیہ حوادث کسی مقررہ ضابطہ کے تحت نہ ہوا کرتے تو ہرگز ایسی اندھی تجارت کرنے کی جرأت نہ کی جاسکتی تھی۔

موت بھی دنیا کے دیگر حقائق میں سے ایک حقیقت ہے اس لئے فطرت کے قانون سے باہر نہیں جاسکتی۔ اس قانون ہی کے تحت زندگی کو موت اور موت کو زندگی بنایا جاسکتا ہے ورنہ نہ زندگی موت سے پیدا ہوسکتی ہے نہ موت زندگی سے۔ کائنات کے اہم نظامات اور انسانی مرگ وزیست کے قانون پر روشنی ڈالنے کے بعد قرآن نے صلائے عام دیتے ہوئے فرمایا۔

ان کل شئ خلقناہ بقدر   ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا۔

اور قانون کی گرفت کو نہ صرف اس ہی رنگ وسنگ والی دنیا تک محدود رکھا بلکہ اس دنیا کی شکست وریخت سے جو دوسرا بہتر عالم پیدا کیا جائے گا اور جس کے قوانین مستقل، پر خلود اور ابدی ہوں گے اس کے سلسلہ میں بھی اندازہ، قاعدہ اور تقدیر وقانون کے وجود کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا۔

ویطاف علیھم بآنیۃ من فضۃ   اور ان کے چاروں طرف لوگ پھرتے ہوں گے چاندی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واکواب کانت قواریرا قواریرا   برتن اور نقرئی شیشوں کے آبخورے لئے ہوئے جن کو

من فضۃ قدروھا تقدیرا   خاص اندازے اور پیمانے سے بنایا گیا ہے۔

یہاں پر اگرچہ جام و ساغر کا ایک خاص پیمانہ لئے ہوئے ہونا بتایا گیا ہے مگر یہ ہی چیز آپ کو بتا سکتی ہے کہ جس جنت کا ایک آبخورہ تک بغیر اندازہ اور پیمانے کے نہ ہوگا خود وہ جنت کہاں تک قانون، ضابطہ اور اندازہ و پیمانہ سے خالی ہو سکتی ہے۔ قانون خدا کا ہے اور خدا یہاں بھی ہے وہاں بھی ہوگا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک جگہ قانون ہو اور دوسری جگہ نہ ہو تغیرات ہو سکتے ہیں قانون نہیں فنا ہو سکتا اس ہی اندازہ اور قانون کو قرآن نے "امر" کی اصطلاح سے بھی تعبیر کیا ہے اور متعدد جگہ

عام طور پر" امر" کے معنی حکم یا طلب فعل کے ہی خیال کئے جاتے ہیں اور کبھی کبھی فعل کے معنی میں بھی حقیقتاً یا مجازاً اس کا استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ اس ہی وجہ سے" قل الروح من امر ربی" کے معنی قابل غور ہو گئے۔ علماء ظواہر نے حکم کو ایک ذہنی حقیقت فرض کر کے یہ تصور کر لیا کہ امر ربی کہنے سے قرآن کا مطلب ہی یہ تھا کہ روح کی حقیقت پر غور نہیں کرنا چاہئے کیونکہ حکم کوئی مستقل حقیقت نہیں اور روح ایک مستقل حقیقت ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے علماء کے اس ذہنی اضمحلال پر سخت طنز کرتے ہوئے حجۃ اللہ البالغہ میں دعویٰ کیا ہے کہ میں روح کی حقیقت جانتا ہوں۔ روح کی حقیقت کا کسی کو بھی علم نہ ہونا امت محمدیہ کی توہین ہے پھر حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نقطۃٌ نورانیۃٌ فردانیۃٌ   ایک ایسی نورانی حقیقت جس کا نہ عرض و طول ہو نہ قابل تجزیہ

لیکن روح کی حقیقت کا معلوم ہو جانا بھی امر کے صحیح معنی   متعین نہیں کر سکتا اور شائد اس ہی بنا پر امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں امر کو مجرد عالم کے معنی میں لے لیا تاکہ روح کی حقیقت اور امر کے معنی کے درمیان مناسبت پیدا ہو سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس معنی کا بھی امکان ہے جیسا کہ مصنف کشف اصطلاحات فنون نے صفحہ ۱۰ پر تحریر فرمایا ہے۔

فقد ذھب ابوالحسن بصری الی ان   ابوالحسن بصری کی رائے یہ ہے کہ امر کا لفظ قول شی

لفظ الامر مشترک بین القول المخصوص   فعل صفت اور شان سب کے معانی پر حاوی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والشئ والفعل والصفۃ والشأن لمتردد الذھن عندا طلاقہ الی ھذہ الامور	کیونکہ امر کہتے وقت ذہن کے سامنے اس نوع کے گوناگوں پہلو آتے ہیں۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ جب تک کوئی واضح قرینہ نہ ہو ارادۂ الٰہی کا اندازہ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ امام غزالیؒ نے جو کچھ فرمایا درست ہوگا مگر ذوقی اور وجدانی حیثیت سے کسی ادبی یا عقلی قرینہ کے اعتبار سے نہیں۔ چنانچہ امام صاحبؒ بھی اپنی تصنیف معارج القدس میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

وکما اوحی فی کل سماء امرھا بواسطۃ ملک کذلک اوحی فی کل زمان امرہ بواسطۃ نبی فذلک ھو التقدیر وھذا ھو التکلیف۔	اور جس طرح خدا نے ہر آسمان کی فطرت میں اس کے امر کی وحی کی ایسے ہی فرشتہ کے ذریعہ نبی کو ہر زمانہ کے موزوں امر وحی کی۔ پہلی وحی تقدیر ہے اور دوسری تکلیف شرعی۔

یہاں امر کے معنی خود انھوں نے بھی تقدیر، قانون اور اس ضابطۂ حیات کے لئے ہیں جو اثر و تاثر کے نظامات و اصول کے تحت کائنات اور اس کی اخلاقی قوتوں کو قائم رکھ سکے اور عالم مجرد کے نہیں لئے کیونکہ اس کے واسطے کوئی عقلی قرینہ نہ تھا۔ ایسے ہی ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ الروح من امر ربی کے وہ ہی متبادر معنی کیوں نہیں لئے گئے جسے ہم قانونِ حیات و نمو بھی کہہ سکتے ہیں۔ امر کے ساتھ اسم ذات کی بجائے صفتِ ربوبیت کا استعمال بتاتا ہے کہ اس امر کے معنی اس حکم کے نہیں جو مفہوم ذہنی کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس امر کے ہیں جو کائنات اور خصوصاً کائناتِ انسانی کی تخلیق، حیات اور ارتقاء کا ضامن ہو۔ رہا یہ مسئلہ کہ اس حکم اور قانون کی حقیقت کیا ہے۔ آیا وہ ایک ایسی چیز ہے جس کا نہ کوئی عرض و طول اور عمق ہو نہ ظلماتی کثافت، نہ اس کی تقسیم کی جا سکتی ہو۔ یا کسی دوسرے نوع۔ ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے۔ مادی اور مجرد عوالم میں اس کی شکل، نوعیت، فعلیت و انفعالیت اور حقیقت خواہ یکساں ہو یا جداگانہ ہمارے اس نظریہ پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہو سکتا کہ روح حیات و نمو کے قانون کا دوسرا نام ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ فلاسفہ اور ان صوفیائے کرام کے نزدیک بھی جو مکاشفات سے حقائق تک رسائی حاصل کرنے کے مدعی ہیں۔ حقائق عالمِ مثال کے آئینہ میں کوئی شکل اختیار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں ورنہ ان کی کوئی مخصوص ہیئت وشکل نہیں ہوتی۔ چنانچہ صفات الہیہ تک کا یہ ہی حال ہے بذاتہ وہ کوئی شکل وہیئت نہیں رکھتیں لیکن عالم مثال اور عالم جسمانی میں ان کی گوناگوں اشکال اور نوعیتیں ہوجاتی ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی بہترین تصنیف الخیر الکثیر ص ۵۶ پر فرماتے ہیں۔

فاعلمن ان کل ما فی العالم من	کائنات میں جو کچھ جسمانیات اور مجردات سے ہو
المتحیزات او المجردات وکل ما فی نفس	اور جو اس سے بھی بالاتر ہوکر واقع ہیں خدا کی ذات اور
الامر من ذات اللہ وصفاتہ فان لہ	صفات سے متعلق حقائق موجود ہیں وہ ہر تخلیق و
صورۃ فی کل من ہذہ النشأت	آفرینش کے مناسب ایک مخصوص شکل اختیار
تخصہ۔	کر لیتے ہیں۔

ایسے ہی اگر روح اور بالفاظِ دیگر حیات ونمو کو عالم جسمانی میں ہم قانون حیات ونمو ہی کہہ سکتے ہوں لیکن عالمِ مثال میں اس کی ایک متعین شکل ہو اور عالم تجرد تک پہنچ کر اس کی حقیقت ایک نورانی نقطہ سے مماثل ہوجائے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ تو کیا یہ ہی صورت روح اور قانون حیات ونمو کی تسلیم کرنے میں آپ کچھ عذر کرسکتے ہیں۔ صرف قانون کا لفظ سنکر خوف زدہ نہیں ہوجانا چاہیے روح بھی ایک قانون ہوسکتا ہے اور قانون بھی ایک روح ہوسکتی ہے۔

قرآن نے صاف اور سیدھی بات بتائی تھی کہ ہم نے اپنے قوانین (قرآن جہاں خدا کی ذاتِ خاص کی طرف کسی چیز کی نسبت کرتا ہے وہاں اس کا مقصد کسی ایک یا چند صفات کی تخصیص سے بلند تر ہوکر تمام صفاتِ الہیہ کا احاطہ کرنا ہوتا ہے" امر ربی" ایک خاص صفت الہی سے وابستہ تھا اور" امرنا" میں تمام قیودات وتحقیقات سے بالاتر اور جامع امر سے نسبت پیدا کی گئی ہے) میں سے تجھے ایک قانون کی تعلیم دی تاکہ وہ اندھیری رات میں روشنی کی طرح منزلِ مقصود تک جانے والے راستہ کو دکھا سکے۔

قرآن نے روح کو نور اور نور کو باعث رشد وہدایت قرار دیکر صاف الفاظ میں واضح کردیا ہے کہ یہاں روح قانونِ رشد وہدایت کا دوسرا نام ہے اور ایسا قانون جو تمام صفاتِ الٰہی کی تجلیات سے معمور ہو زندگی کا ہر پہلو اس سے تابناک ہوسکتا، ایمان کے حقائق کے اور قانونِ حیات کا علم واحساس ہوجاتا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارتقار انسانی کی اس شاہراہ کا ہر ذرہ چمک اٹھتا ہے جو حیاتِ ابدی تک پہنچا سکے۔ خلوت خانہ راز کی "بھول بھلیاں" کچھ صوفیار کی کتابوں ہی کے لئے زیب دیتی ہیں۔ قرآن کے لئے موزوں نہیں۔ قرآن ایک دوسری جگہ فرماتا ہے۔

والشمس والقمر مسخرات بامرہ — سورج اور چاند اس کے حکم سے تابع فرمان ہیں کیا

الا لہ الخلق والامر — نہیں اس خدا کے لئے پیدائش اور حکم۔

سیارگان کا خدا کے حکم سے مسخر یا اس کے قانون کے تحت ہونا ایک ہی بات ہے۔ ڈکٹیٹر اور بادشاہ کا حکم ہی قانون ہوتا ہے۔ دونوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا ہماری دماغی کمزوری کی دلیل ہے نہ کہ حقائق کے باہمدگر متحد نہ ہونے کی۔ اصل میں عام غلط فہمی کا راز میرے نزدیک یہ ہے کہ ہم حکم کو شخصی اغراض کے لئے صرف ایک معمولی وقفہ کی حد تک سمجھتے ہیں حالانکہ ہمارے حکم اور خدا کے حکم میں اس سے زیادہ فرق ہے جو ایک سپاہی اور ایک بادشاہ کے درمیان ہوتا ہے۔ سپاہی کا حکم وقتی اور شخصی ہی ہوگا لیکن بادشاہ کا حکم تاصدور حکم ثانی مستقل اور عام قانون کی حیثیت میں ہوگا بنا بریں تذبذب اور دماغی کشمکش کے سپرد ہوجانے کی کوئی وجہ نہیں۔

"الا لہ الخلق والامر" سے بھی امام غزالی جیسے ائمہ صوفیہ نے عالم مجرد ہی کا نشان پایا ہے حالانکہ صاف اور سیدھی بات تھی کہ خدا ہی کے لئے کائنات ہے اور خدا ہی کے لئے اس کے قوانین حیات یعنی دونوں چیزیں اس ہی کے فرمان کے تابع ہیں۔ کائنات کے کسی ایک ذرہ اور اس کے قوانین کو کوئی طاقت فنا یا تبدیل نہیں کرسکتی۔ دنیا کا مادہ اور طاقت دونوں تنہا خدا کے تحت ہیں۔ قوانین اور اس کے گوناگوں نظامات اگر عالم مجرد سے بھی کوئی خاص ربط ونسبت رکھتے ہوں تو ہمیں ہرگز انکار نہیں لیکن اس دنیا کو قرآن نے جو پیغام دیا ہے وہ زیادہ تر ان حقائق ہی سے قریبی نسبت رکھتا ہے جو ہمارے علم و اطلاع سے باہر نہ ہوں اور مجردات کے عوالم عام انسانی دسترس سے باہر ہیں اس لئے قرآن کے کسی دعوے کو ایسے حقائق سے وابستہ کردینا جن کا ہم مشاہدہ نہ کرسکتے ہوں دور از کار تاویل کی حیثیت رکھتا ہے اپنی رائے کو واضح تر کرنے کے لئے قرآن کی ایک آیت اور پیش کرتا ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ھیّیٔ لنا من امرنا رشداً — اپنے حکم سے ہمارے لئے سامان ہدایت فراہم کردے

آپ کو معلوم ہے کہ رشد و ہدایت خود قرآن کے نزدیک بھی ایک قانون رکھتا ہے۔ طبعی استعداد، ماحولی موثرات، نفسیاتی امیال و عواطف، قومی خصائص، ذہنی انحطاط و ارتقا، اخلاقی اضمحلالات جیسے کتنے موثرات ہیں جو راہ نمائی کرتے یا راستہ سے ہٹا دیتے ہیں اس ہی لئے "ھیّیٔ لنا" کی دعا کرنا پڑی۔ خدا کا حکم اپنی جگہ پر ضرور ایک مستقل حقیقت ہے لیکن ہماری زندگی پر اس کے اثرات قانونِ قدرت میں جذب ہو کر ہی پہنچتے ہیں۔ وہ ہی چیز خدا کی نسبت سے حکم ہے اور ہماری نسبت سے قانون۔ لہٰذا ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دعا کا مقصد قوانینِ قدرت سے آزاد ہو کر کامیاب ہونے کی آرزو کرنا ہے بلکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ داخلی اور خارجی دونوں قسم کے ماحول اس نوع کے ہو جائیں کہ ہم قانونِ رشد و ہدایت سے استفادہ کر سکیں اور یہ چیز ظاہر ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو خدا کے حکم کی سپرد کر دے گا تو اس کی تمام وہ قوتیں جو اپنی تاریکیوں اور پستیوں کے ذریعہ ناکام بنا رہی تھیں مضمحل ہو جائیں گی اور یہ اضمحلال ہی اگر ایک وقفہ تک قائم رہے قانونِ قدرت کے تحت راہ نمائی کر سکے فہو المراد۔

یہ ضمنی بحث اگرچہ بظاہر طویل ہو گئی لیکن اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ اب بھی اس موضوع پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ یہاں تک پہنچکر اگر ایک دوسری آیت کو پیش نہ کیا جائے تو شاید موضوع بڑی حد تک تشنہ رہ جائیگا۔ قرآن کہتا ہے اور امر و قدر دونوں کو ایک ہی حقیقت میں جذب کرتے ہوئے کہتا ہے۔

کان امر اللہ قدراً مقدوراً — خدا کا حکم ایک ایسا اندازہ ہے جو اندازہ کر دیا گیا۔

آپ سمجھے کہ اس آیت میں کیا نکتہ ہے؟ قرآن نے صاف لفظوں میں بتا دیا کہ خدا کا حکم ایک زندہ اور عملی قانون ہے وہ اندازہ نہیں جو ذہنی تصور کہلایا جا سکتا ہو بلکہ وہ اندازہ ہے جو اندازہ کر دیا گیا یعنی عملی دنیا میں لے آیا گیا اور کائنات کے ہر ذرہ، ہر طاقت پر نافذ کر دیا گیا۔ کیا اس حقیقت تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ امر عالم مجرد کا دوسرا نام ہے اور کسی عملی اور زندہ قانون کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا نے "امر" کی اصطلاح سے یاد نہیں فرمایا۔ ھاتو برھانکم ان کنتم صٰدقین ۔

حقیقت یہ ہے کہ تقدیر جو مرگ و زیست کی ضامن ہے ۔ قانون قدرت ہی کا دوسرا نام تھا ۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی بار بار سیرۃ النبی میں اس ہی حقیقت کی ترجمانی کی ہے لیکن اعتقادات عامہ کی طاقت سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور تقدیر کو قانونِ قدرت سمجھنے کے باوجود ایک قسم کا خلط مبحث کر دیا ۔ مولانائے محترم "نحن قدرنا بینکم الموت" وغیرہ آیات کے تحت فرماتے ہیں کہ

"ہر شے میں اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ لگایا ہے وہ وہی چیز ہے جس کو لوگ قانون قدرت کہتے ہیں اور جس پر دنیا چل رہی ہے اس ہی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر حصہ اور ہر پہلو کے متعلق اپنے احکام متعین فرما دیئے ہیں جن کی اطاعت اس پر واجب ہے ۔ علیٰ ہذا انسانوں کی ترقی و زوال موت و حیات، بیماری و صحت، دولت و افلاس، آرام و تکلیف، سعادت و شقاوت ہر ایک کے اصول و قواعد مقرر فرما دیئے ہیں"

دیکھئے کس قدر واضح، صاف اور سیدھا بیان ہے تقدیر کے معنی اندازہ کے ہیں اور اندازہ قانونِ قدرت کا دوسرا نام ہے اور یہی میں عرض کر چکا ہوں لیکن اس ہی جگہ سے مولانا راستہ تبدیل کر دیتے اور فرماتے ہیں "غرض ان کو آرام و تکلیف جو کچھ پیش آتی ہے خدا کے علم اور اجازت سے پیش آتی ہے" یہ تعبیر کیوں کی گئی اس لئے کہ مولانا آغاز بحث میں تجویز فرما چکے تھے کہ "اس عقیدۂ قضا و قدر کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا جو کچھ اب ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور فیصلہ ازلی کے مطابق ہوا ہے ہوتا ہے اور ہوگا" یقیناً قرآن کا دعویٰ ہے کہ کوئی چیز خدا کے علم و ارادہ سے باہر نہیں اور اس لحاظ سے مولانا نے جس حقیقت کا اظہار فرمایا وہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے مگر یہاں تو سوال ہی دوسرا ہے قرآن نے جس جگہ بھی علمِ الٰہی میں ہر چیز، ہر بات کے ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہاں تقدیر اور امر کی اصطلاح استعمال نہیں کی بلکہ ام الکتاب، فی کتاب، ما کتب اللہ، کتاباً موجلا، کتب علیہم وغیرہ پہلوؤں سے ۔ کتاب کی اصطلاح کے ساتھ بیان فرمایا ہے ۔ کتاب اور تقدیر و امر کو ایک ہی حقیقت فرض کر لینے کی غلطی کا آغاز نہ معلوم کہاں سے ہوا تھا جس کا انجام اس درجہ عام شہرت پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا کہ اس سے انحراف کرنے کی جرأت بڑے سے بڑے علماء کو نہیں ہوتی۔ حالانکہ عقائد کی کتابوں میں بھی تقدیر کی جو توضیح کی گئی تھی وہ بھی علم الٰہی کی بہ نسبت قانونِ قدرت کی اصطلاح سے زیادہ مناسبت رکھتی تھی۔ مصنف کشف اصطلاحات الفنون ص ۱۱۵۹ پر تقدیر کا عنوان قائم کرتے ہوئے شرح عقائد نسفی سے نقل فرماتے ہیں۔

التقدیر تحدیدہ کل مخلوق بحدہ الذی	تقدیر ہر پہلو سے کائنات کا احاطہ کر لیتا ہے
یوجد من حسن وقبح ونفع وضرر	خواہ باعتبار حسن وقبح اور نفع وضرر کے ہو
وما یحویہ من زمان ومکان وما یترتب	یا زمان ومکان اور نیک وبد نتائج کے لحاظ
علیہ من ثواب وعقاب۔	سے جو اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

عربی کتابیں برائے فروخت

سنن ابی داؤد (مجتبائی) . . . . پچیس روپے ۲۵ عہ

سنن نسائی (مجتبائی) . . . . بارہ روپے ۱۲ عہ

جامع ترمذی (مجتبائی) . . . . اٹھارہ روپے ۱۸ عہ

تفسیر کبیر (طبع مصر) کاغذ اچھا مضبوط صرف جلد اول نہیں ہے چالیس روپے ۴۰ عہ

اعلام الموقعین۔ ابن قیم . . . . دس روپے ۱۰ عہ

سبل السلام۔ شرح بلوغ المرام . . . . آٹھ روپے ۸ عہ

ملنے کا پتہ

منیجر مکتبہ برہان دہلی۔ قرول باغ

© rasailojaraid.com